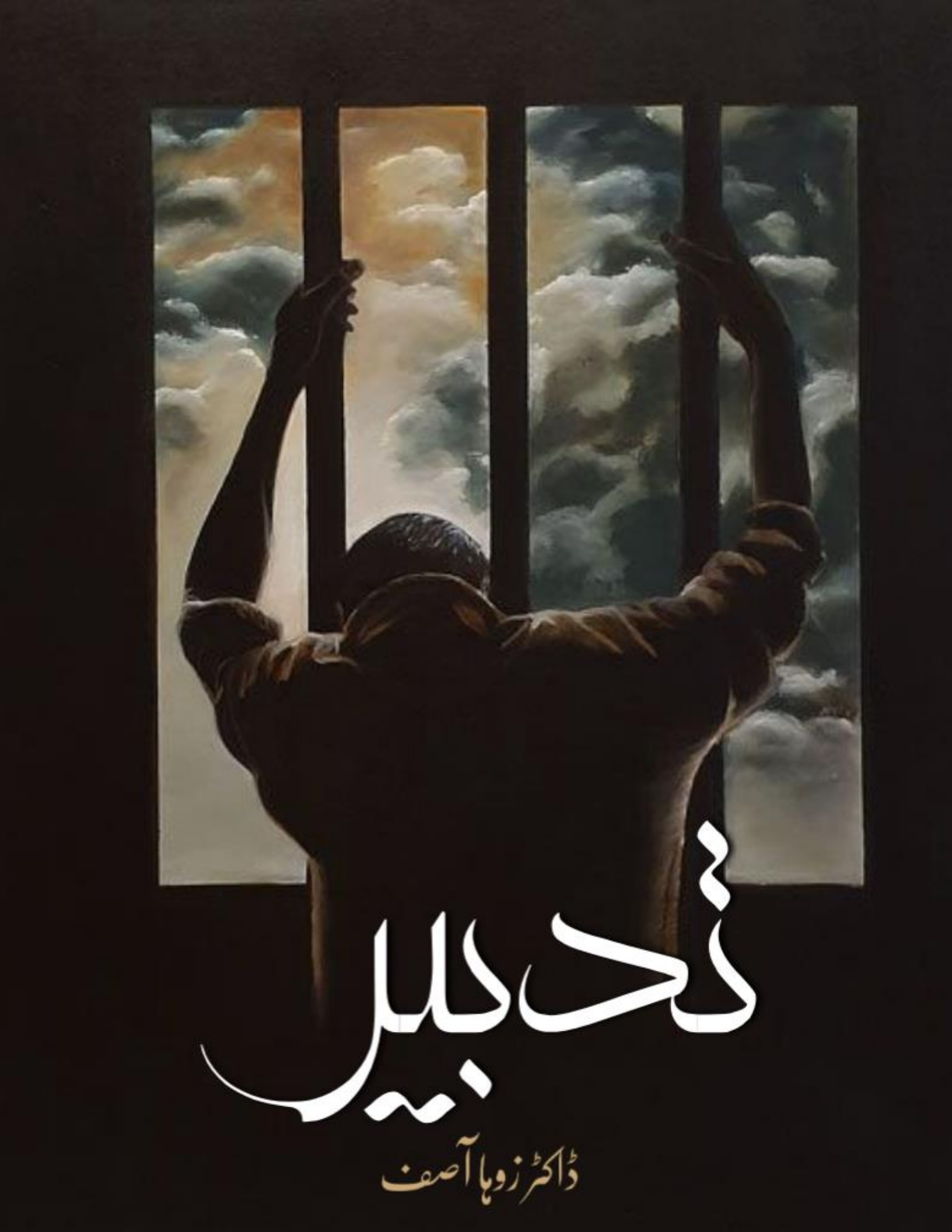


تدبیر

ڈاکٹر زوہا آصف

تدبیر زوہا آصف

افسانہ

نوٹ:

اس افسانے کے تمام جملہ حقوق رائٹر زوہا آصف کے نام محفوظ ہیں۔

کسی بھی فرد یا ادارے یا دوسری ویب سائیٹ کو رائٹر کی اجازت کے بغیر اس کی اشاعت کا اختیار نہیں۔

ایسا کرنے والے کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائی جائے گی۔

ZOHA ASIF

شکریہ

زوہا آصف

انتساب

اُس یقین کے نام کہ تدبیر بندے کے ہاتھ میں ہے اور نتیجہ اُس کے، جو بہترین کارساز ہے!

ZOHA ASIF

اس نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھول کر دیکھنا چاہا، مگر دھندلاہٹ کے باعث کچھ دیکھ نہ پایا۔ کچھ لمحے آنکھیں موندے رکھنے کے بعد اب اس نے دوبارہ اپنی بصارت کی نعمت کا فائدہ اٹھانا چاہا تھا۔

وہ اندھیرے میں ڈوبا کمرہ تھا جہاں واحد روشنی کا ذریعہ کمرے کے کونے میں بنا روشن دان تھا، اس روشن دان کی چھوٹی چھوٹی لوہے کی سلاخوں کے درمیان سے روشنی کی کرن اندر آ رہی تھی۔

دھوپ کی کرنوں سے اس نے اندازہ لگایا کہ یہ سہ پہر کا وقت تھا، روشنی اب آہستہ آہستہ واپس جا رہی تھی اور جلد ہی اندھیرا ہونے والا تھا۔

آنکھیں اچھی طرح ملنے کے بعد اب اس کی بصارت کافی واضح ہوئی تھی۔ مگر سر بری طرح چکرایا تھا۔

گو کہ تاریکی ہونے کے باعث وہ ہر چیز نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ کمرے میں اس کے جیسے اور بھی کئی سارے بچے موجود تھے، بے ہوشی کی حالت میں، نیم غنودگی میں تو کوئی بالکل دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔

اسے سمجھ نہیں آیا کہ اسے اور اس جیسے اور اتنے بچوں کو وہاں کیوں رکھا گیا تھا۔

ZOHA ASIF

اس نے اپنے دماغ پر زور ڈالنا چاہا، آخری بات جو اسے یاد تھی وہ یہی تھی کہ وہ سکول کے لیے نکلا تھا۔

سکول کے راستے جاتے ہوئے ایک گلی میں ایمبولنس سے ٹکرا کر اس کا مائنر ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔

حالانکہ ایکسیڈنٹ کی نوعیت اتنی بڑی نہیں تھی، اس کی سائیکل ہلکے سے ایمبولنس سے ٹکرائی تھی اور وہ نیچے گر گیا تھا۔

اتنی سی بات پر ایمبولنس سے نکلے آدمی زبردستی اس کا چیک اپ کروانے کے لیے اسے اپنے ساتھ اس گاڑی میں بٹھا چکے تھے،

اسی لمحے اسے یوں لگا جیسے کسی نے کوئی نوکیلی چیز اس کی گردن میں گھسائی ہو اور اس کے آگے اسے کچھ یاد نہیں تھا۔

اس نے ایک نظر اپنی کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر آنے والا ٹائم دیکھنا چاہا، گھڑی کا ڈیجیٹل ڈائل پانچ بجا رہا تھا۔

اسے اپنے ماں باپ کا خیال آیا، اتنی دیر ہو گئی، ماما بابا ضرور پریشان ہو رہے ہوں گے۔ اسے ان کی فکر ستانے لگی۔

بے چینی، گھبراہٹ اور پریشانی میں اس نے اپنے ساتھ بے ہوش پڑے بچے کو ہلانا چاہا مگر اس سے پہلے وہ ایسا کر پاتا، کمرے کے باہر گاڑی کھڑی کرنے کی آواز آئی۔ ڈر کے مارے اس نے واپس لیٹ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

☆☆☆☆☆

"آفیسر پلیز میرے بچے کو ڈھونڈ نکالیں، وہ تین بجے تک ہر حال میں گھر آ جاتا ہے، یہ کوئی اتفاق نہیں ہے، نہ ہی وہ کسی دوست کے ساتھ کہیں گیا ہے، میں اس کے ہر دوست کے گھر فون لگا کر پتہ کر چکی ہوں، پلیز آپ میری بات سیریس لیں اور اسے ڈھونڈیں" پولیس سٹیشن میں بیٹھی وہ عورت زار و قطار روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کے ساتھ کی کرسی پر ایک پینتالیس برس کا آدمی بیٹھا تھا جو اس عورت کا شوہر تھا۔ اس کے چہرے پر بھی تشویش رقم تھی۔

"دیکھیے محترمہ ہم پوری کوشش کریں گے، آپ پریشان نہ ہوں۔" آفیسر پیشہ ورانہ انداز میں کہنے لگے۔

"ہمیں کوشش نہیں چاہیے، ہمیں ہمارا بچہ زندہ صحیح سلامت چاہیے سر" بچے کا باپ جذباتی ہو کر بولا تھا۔

آفیسر نے بے بسی سے لب بھینچے تھے، ان کے پولیس سٹیشن میں آیا یہ پہلا کیس نہیں تھا، اس نوعیت کے اور بھی کئی کیسز روزانہ انہیں رپورٹ ہو رہے تھے اور ابھی تک وہ کوئی بھی ٹھوس سراغ حاصل نہیں کر سکے تھے۔

"دیکھیں میں آپ کی تکلیف سمجھتا ہوں، مگر ہم اپنی پوری کوشش کر رہے ہیں، آپ تحمل رکھیں اور دعا کرتے رہیں، باقی پولیس کو اپنا کام کرنے دیں ہم جلد ہی آپ کے بچے کو ڈھونڈ نکالیں گے" آفیسر نے انہیں تسلی دی۔

"سر۔۔ پلیز جلد سے جلد اس کا پتہ لگوائیں، میرا ایک ہی بچہ ہے، میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔" باپ اپنی اولاد کی محبت کے سامنے ہار گیا اور اپنی بیوی کو چپ کرواتا وہ خود بھی بلند آواز رونے لگا۔

"سر۔ حوصلہ کریں، اللہ کرم کرے گا" حوالدار نے اس مرد کو کندھوں سے تھاما، دوسرے کانسٹیبل نے انہیں پانی کا گلاس تھمایا۔

انہیں تسلی دیتے ہوئے وہ بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے جو روز ایسے ہی کتنے ماں باپ کو یہاں آ کر اسی طرح روتے تڑپتے دیکھ رہے تھے۔ انہیں جلد ان کے بچے سے ملوانے کی امید دے کر پولیس والوں نے گھر بھیجا تھا۔

"سر ہمیں یہ کیسز آگے رپورٹ کر دینے چاہئیں، یہ کوئی چھوٹا موٹا گینگ نہیں ہے، کوئی بڑا ہی ہاتھ ہے اس سب کے پیچھے" کانسٹیبل نے ایس ایچ او کو مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا۔

ZOHA ASIF

اس سے پہلے ایس ایچ او شہیر احمد کوئی جواب دیتا ٹیبل پر رکھا اس کا پرسنل فون بجنے لگا۔

شام کے چھ بجے تھے، اس وقت ان کی بیگم کی کال آنا غیر معمولی سی بات تھی کیونکہ وہ ورک آورز میں کبھی اپنے خاوند سے ضروری یا ایمرجنسی کے علاوہ رابطہ نہیں کرتی تھیں۔

انہوں نے پریشانی سے فون اٹھایا تو بیوی کی سسکی نے ان کے کان کی لو سرخ کر دی۔

"کیا بات ہے میشا؟" وہ سخت گھبرائے ہوئے لگتے تھے، پولیس سٹیشن میں موجود باقی افسر بھی ایس ایچ او کی یہ حالت دیکھ کر وہیں آ گئے تھے۔

"شہیر، معیز۔۔ معیز۔۔ کا کچھ پتہ نہیں چل رہا" ان کی بات سن کر شہیر کو لگا انہوں نے جو سنا وہ غلط ہے، بھلا ایسا کیسے ممکن ہے؟

"کیا کہہ رہی ہو میشا؟ محلے میں ادھر ادھر پوچھو، اس کے دوستوں کے گھر کال کرو۔۔ کہاں جائے گا وہ؟" شہیر کی آواز میں وہ کچھ دیر پہلے والا کانفیڈینس نہیں رہا تھا۔

کچھ لمحے پہلے وہ ایسے ہی کسی گم ہوئے بچوں کے ماں باپ کو آسانی سے تسلی دے پا رہا تھا مگر جب بات اپنے بچے کی آئی تو آواز کانپنے لگی تھی۔

"نہیں شہیر۔۔ میں ہر جگہ۔۔ ہر جگہ پتہ کروا چکی ہوں، مجھے کچھ پتہ نہیں چلا، اس کی ٹیچر کو کال کی تو معلوم ہوا وہ سکول آیا ہی نہیں تھا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔ آپ پلیز گھر آ جائیں۔۔ پلیز جلدی گھر آ جائیں" وہ منت کرتے کہہ رہی تھیں۔

ZOHA ASIF

شہیر نے انہیں جلدی آنے کا کہہ کر فون رکھا تھا۔

چہرے پر فکر کا جال بچھا تھا، انہیں کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا، دماغ ماؤف ہونے کے قریب تھا جب انہوں نے اپنی کیپ اٹھائی اور اپنی ٹیم کو لے کر پولیس سٹیشن سے باہر نکلا۔

☆☆☆☆☆

دھڑام کی آواز سے دروازہ کھلا تھا، اس بوسیدہ سی عمارت کا یہ ناقص حال کمرہ روشنی اور ہوا کے آنے سے جیسے کھل اٹھا تھا،

کمرے میں بے حد تاریکی، حبس اور بدبو پھیلی تھی، ایسی بدبو جو سمجھ سے باہر تھی۔

اندر آنے والے شخص نے بے ساختہ اپنی ناک پر رومال رکھا تھا۔

"ہاں باس۔ آج کا دن اچھا تھا، اس ہفتے کا ٹارگیٹ تین دن میں ہی پورا کر لیا ہم نے، آج ہی رات میں نکلیں گے"

ان پچاس بچوں میں موجود وہ بچہ جو کچھ دیر پہلے اس زہریلی دوا سے بیدار ہوا تھا اس نے یونہی ایکٹ کیا جیسے وہ اب بھی بے ہوشی کی حالت میں ہو مگر اس کے کان اس آدمی کی گفتگو سننے میں لگے تھے۔

"جی باس، میں بھلا آپ سے جھوٹ کیوں کہوں گا؟ سارا ٹارگیٹ آج ہی پورا ہوا ہے۔" اس نے اپنے باس کو یقین دہانی کروائی تھی، ساتھ ہی ساتھ سگریٹ کا ایک گہرا کش لیا تھا۔ جانے اس کے باس نے ایسی کیا بات کی تھی کہ اس نے بلند آواز میں قہقہہ لگایا تھا۔

"بالکل باس، بونس کا حق تو بنتا ہے ٹیم پر، انہوں نے بہت کام کیا ہے پچھلے دنوں" بونس کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر گہری مسکراہٹ چھائی تھی۔

"ٹھیک ہے باس۔۔ میں آج رات ہی پارسل بھجوا دوں گا آپ فکر نہ کریں" اس نے چند الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھا تھا۔

پھر ایسے ہی سگریٹ کے کش لیتا ایک دو بچوں کو لات مار کے چیک کیا تھا کہ وہ جاگ رہے ہیں یا نہیں مگر ان میں کوئی حرکت نہ ہوئی جسے دیکھ کر اس کے لبوں پر موجود مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔

"اے نیفے۔۔ ذرا دو چار بچوں کو ہلا جلا کر چیک کر لے دوا دوبارہ دینے پڑے گی یا نہیں۔۔۔ رات میں پارسل بھی پہنچانا ہے" اس نے اپنے ساتھی کو آواز دے کر کہا تھا، اس بلند آواز پر دو چار بچے کسمسائے تھے۔

"یار فصی بھائی پہلے ہی ڈبل ڈوز دی تھی مشکل سے ہی کوئی بچہ جاگے گا" نیفے نے آکر اسے بتایا تھا۔

"پکی گل اے نا؟ یہ نہ ہو پارسل بھجواتے ہوئے کوئی جاگ جائے اور ہمارے لیے مصیبت ہو جائے؟" فصی ہر طرح سے تسلی کرنا چاہتا تھا۔

"ارے فصی بھائی فکر ہی نہ کرو تُسی۔۔ صبح سے پہلے کوئی نہیں اٹھنے والا، اور جب تک یہ اٹھیں گے کسی اور ہی دنیا میں پہنچ گئے ہوں گے!" اس نے ہنستے ہوئے کہا تھا اس کی ہنسی میں فصی کی غلاظت بھری ہنسی بھی شامل تھی۔

حالانکہ وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کے دوا دینے والے ساتھی نے دوا ختم ہونے کی صورت میں ایک بچے کو ڈبل کے بجائے آدھی ڈوز دی تھی، اور یہ بات اپنے ساتھیوں سے چھپائی تھی۔

☆☆☆☆☆

ZOHA ASIF

"سر اب ہم کیا کریں گے؟ بچوں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے، اور پھر معیز کی بھی ہم آس پڑوس، محلے داروں، قریبی دوستوں اور رشتے داروں سب سے پوچھ گچھ کر چکے ہیں، مگر کہیں کوئی خبر نہیں ملی۔" کانسٹیبل محمد بشیر نے ایس ایچ او شہیر احمد سے کہا تھا، وہ لوگ شہیر کے گھر سے ہو کر اب واپس پولیس سٹیشن آئے تھے۔

"بشیر۔۔مجھے جو شک ہے کیا وہ تم سب کو بھی ہے؟" اس نے وہاں موجود تمام سٹاف کو اکٹھا کیا ہوا تھا اور وہ سب سے براہِ راست مخاطب تھا۔

"جی سر یقیناً ہم سب کی طرح آپ کو بھی یہی لگ رہا ہو گا کہ معیز بھی۔۔" وہاں موجود آفیسر نے بات درمیان میں چھوڑ دی۔

"ہاں ایسا ہی ہے، معیز کو بھی انہی تمام بچوں کی طرح کڈنیپ کیا گیا ہے جیسے ان تمام بچوں کو تین ہفتوں سے کیا جا رہا ہے۔ ہمیں اب جلد از جلد اس کیس کو حل کرنا ہے" شہیر نے دونوں کہنیاں ٹیبل پر ٹکاتے ہوئے کہا تھا۔

چہرے پر سنجیدگی قائم تھی۔ پریشانی کے تاثرات نے اس کے چہرے کو دو گھنٹوں میں بوڑھا کر دیا تھا۔

"سر یہ رہیں وہ فائلز جو آپ نے منگوائی تھیں۔" عظمیٰ نے اس کے حوالے ایک بڑی فائل کی تھی۔

"آپ نے یہ سٹڈی کی ہیں؟" وہ مصروف نگاہ فائلز پر نگاہ دوڑاتا جا رہا تھا جب اس نے لیڈی آفیسر عظمیٰ سے پوچھا تھا۔

"جی سر ان تمام کیسز میں کئی ساری چیزیں مشترکہ ہیں، میں نے باریک بینی سے ہر ایک کیس کا جائزہ لیا ہے اور یہ ہیں وہ تمام پوائنٹس جو ہر کیس میں سیم ہیں" انہوں نے شہیر کے حوالے نوٹ پیڈ کیا تھا۔ جسے پڑھتے ہی شہیر نے دو چار فون گھمائے تھے، کچھ باتوں کی تصدیق کرتے ہی اب وہ ایک بار پھر اپنی پوری ٹیم سے مخاطب تھا۔

"مجھے دس منٹ میں پوری ٹیم ویپنز کے ساتھ ریڈی چاہیے۔" اس کے آرڈر پر سب نے یک زبان ہو کر "راجر سر" کا نعرہ لگایا تھا۔ دشمن جتنا بھی چالاک سہی، اپنے نشان ان کے لیے چھوڑ چکا تھا جو ایس ایچ او شہیر احمد کی زیرک نگاہوں سے بچ نہیں سکے تھے۔

☆☆☆☆☆

اس نے ان آدمیوں سے نگاہ بچا کر کھڑکی سے باہر دیکھنا چاہا تھا۔ دن کی روشنی اب رات کی تاریکی میں بدل چکی تھی۔ اس نے بے بسی اور خوف کے عالم میں نگاہ دوڑائی تھی، اس کے آس پاس بچے ویسے ہی بے سدھ پڑے تھے، اس نے ذرا سا سر اوپر کر کے اس جگہ کا جائزہ لینا چاہا تھا جہاں پر وہ سب کسی بے کار سامان کی طرح لاد دیے گئے تھے۔

خوف سے اس کا جسم اب لرز رہا تھا جانے وہ لوگ ان معصوم بچوں کے ساتھ کیا کرنے والے تھے؟

اس نے سوچنا چاہا مگر شدید پریشانی، ڈر اور اضطراب کے عالم میں دماغ کی ساری طاقت جیسے سلب ہو چکی تھی۔

یونہی سوچتے سوچتے اس کے ذہن میں جھماکہ ہوا۔

"سمارٹ واچ"

اس نے ہمت کر کے ایک بار پھر سر اوپر کو اٹھا کر ڈرائیور کی جانب کی کھڑکی میں ہلکا سا جھانکا، وہاں دو آدمی بیٹھے تھے، ایک جو ڈرائیو کر رہا تھا اور دوسرا جو اس کے ساتھ بیٹھا اونگھ رہا تھا۔

اب اس نے دوبارہ ہمت جمع کر کے اپنی واچ آن کی تھی۔ بیٹری صرف بیس پرسنٹ تھی۔

مایوس ہونے کے بجائے اس نے جتنا موقع اور وقت تھا اس کا بھرپور استعمال کرنے کی ٹھانی تھی۔

"اگر ایک کوشش کروں گا تو زندگی بھر اس ریگریٹ میں تو نہیں گزاروں گا کہ میں نے اپنے لیے کوئی ایفرٹ نہیں کی" اس نے سوچا اور پھر سمارٹ واچ آن کی۔

سمارٹ واچ کھول کر اپنی ماں کا نمبر ڈھونڈا۔

"نہیں ماما نہیں، مجھے بابا سے کانٹیکٹ کرنا چاہیے" اس نے سوچا۔

پھر اپنے باپ کا نمبر کھولا۔

وہاں پر کال کرنے سے پہلے اس نے پھر ایک بار اچھی طرح تسلی کی۔

"مگر ہیڈ فونز تو تھے نہیں؟ کال سپیکر پر ہو گی تو انہیں فوراً معلوم پڑ جائے گا۔۔ نہیں۔۔ کچھ سوچو۔۔ کچھ سوچو۔۔"

سوچتے سوچتے اسے ایک اور آئیڈیا آیا۔

اس نے واچ میں موجود واٹس ایپ کھولا، یہاں اپنے بابا کی چیٹ کھولی۔

واچ کی بیٹری اب پندرہ پرسنٹ پر تھی۔ اس نے ہمت کر کے میسج بھیجا۔

"بابا میں معیز۔" اس کا میسج ڈیلیور نہیں ہوا تھا۔

وجہ انٹرنیٹ تھی۔ اور موبائل اس کے پاس تھا نہیں۔

"اوہ ہو اب میں کیا کروں؟" نئے سرے سے فکر نے گھیر لیا، ہمت جیسے ٹوٹنے کو بے قرار تھی، ماتھے پر ڈر اور گھبراہٹ سے پسینے کے قطرے بھی چمک رہے تھے۔

ZOHA ASIF

اس نے اللہ سے اپنے لیے شدتِ دل سے دعا کی اور وہ دعا فوراً سن لی گئی۔ ذہن میں ایک زبردست خیال آیا تھا۔

"ہاں۔۔ یہ واچ ماما کے نمبر پر ویریفائیڈ ہے۔۔ سم سے میسج ہو جائے گا"

اب وہ آئی میسج کھول کر بابا کا نمبر ڈھونڈ رہا تھا۔

واچ کی بیٹری دس پر سنٹ پر آگئی تھی۔

جلدی میں اس نے ٹائپ کیا۔

"بابا میں معیز آئی نیڈ ہیلپ" وہ مسیج فوراً ڈیلیور ہوا۔

"ڈونٹ کال" اس نے اسی لمحے ایک اور پیغام بھیجا۔

بیٹری اب سات پر سنٹ پر رکی تھی۔ اس نے ایک بار پھر گھبرا کر ارد گرد دیکھ کر تسلی کی تھی۔

اپنی ایپل واچ کی ٹریکنگ آئی ڈی باپ کے نمبر پر بھیجنے ہی والا تھا کہ بیٹری یک دم ایک پر سنٹ پر آگئی۔

اس سے پہلے وہ سینڈ کرتا۔۔ ایمبولنس رکی تھی، اور کسی نے اس ایمبولنس کا بیک دروازہ کھولا تھا۔

☆☆☆☆☆

اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، چہرہ پسینے سے تر تھا، اس سے پہلے دروازہ کھولنے والا شخص اسے ہوش و حواس میں پاتا، وہ بھی ان بچوں کی حالت میں لیٹ گیا، بے سدھ۔ بغیر کسی حس و حرکت کے۔ مگر پلکیں اب بھی ہولے ہولے لرز رہی تھیں، سانس بے قابو ہو رہی تھی۔

گاڑی کا دروازہ کھولے وہ شخص گاڑی سے آنے والی پسینے اور دوا کی بدبو سے دو قدم پیچھے جا کھڑا ہوا۔

"ہاں باس۔۔ ساری گاڑیاں اڈے میں پہنچ گئی ہیں۔" فصی نے اپنے باس کو کال ملاتے ہوئے کہا تھا۔

"کتنی دیر میں پہنچو گے تُسی؟ چلو ہم انتظار کر رہے ہیں" وہ فون رکھتا ہوا بولا۔

"یہ باس بھی نا ہمیشہ دیر کرتا ہے، یہاں ہماری حالت پتلی ہے اور اسے اپنی معشوقہ کے نخرے اٹھانے سے فرصت نہیں، اسے کوئی پچاس سال بعد شادی کرنی چاہیے تھی (گالی) کہیں کا" وہ اپنا گال کھجاتے ہوئے بولا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اس ایمبولنس میں موجود بچوں کو بھی دیکھتا جا رہا تھا کہ کوئی ہوش میں تو نہیں آیا تھا۔

وہ معیز کے پاس رکا، معیز کی جان حلق میں آ گئی، اس نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لی تھیں، ناخن ہتھیلی میں رگڑ رہے تھے مگر اسے محسوس نہیں ہوا۔ صرف ایک ہی سوال تھا جو دماغ میں ہتھوڑے کی طرح بج رہا تھا۔

"کیا بابا تک میسج پہنچ گیا ہو گا؟ کیا وہ مجھے بچا پائیں گے؟" اس نے کسی کی موجودگی محسوس کر کے اپنی سانس روکی، بے سدھ رہنے کی کوشش کی۔

فصی اپنی پوری تسلی کرنے کے بعد ایمبولنس سے نیچے اتر آیا تھا۔

اس کے اترتے ہی معیز نے لمبا سانس ہوا میں تحلیل کیا تھا۔

☆☆☆☆☆

وہ ایک سنسان سڑک تھی، آس پاس گھنا جنگل تھا جس کے درمیان سے سڑک ہو کر نکلتی تھی۔ اسی سنسان سڑک کے ایک کنارے پانچ ایمبولنس کھڑی کی گئی تھیں، سبھی میں معیز کی طرح سو کے قریب بچے تھے جنہیں اغوا کر کے ان ایمبولنسوں میں ڈالا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے فصی بھائی؟ باس کب تک پہنچیں گے؟" نیفے نے آ کر اس سے پوچھا جو اپنی سگریٹ کو ماچس کی تیلی سے سلگا رہا تھا۔

"ابے۔۔اس کے وہی ہمیشہ کے رونے ہیں، انڈر ورلڈ کا ڈان بنا پھرتا ہے اور اپنی یہ بیبی قابو نہیں کر سکتا" وہ منہ بنا کر بولا تھا۔

"اب کیا ہوا ہے؟ وہ آ نہیں رہے؟ یا دوبارہ سے اپنی گھر والی کی کوئی فرمائش پوری کرنے تڑے (نکلے) ہوئے ہیں؟" نیفے دبی دبی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"میرا میٹر مت گھما، اتنے رسک میں ہم یہاں کھڑے ہیں اور اس (گالی) کو اپنی اس (گالی) سے فرصت نہیں، ہم پولیس کے مین ریڈار پر ہیں اور وہ خود تو گھر بیٹھا بس کال پر ہر حکم سنا دیتا ہے "فصی غصے سے بھرا ہوا تھا۔

"اچھا اچھا فصی بھائی اتنا غصہ نہیں کرو۔۔ آ جائے گا، کہہ رہا ہے تو" نیفے نے اسے تسلی دینے کی کوشش کی مگر فصی نے اشتعال میں اپنے کندھے پر رکھا اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"وہ جب آئے مجھے اٹھا دینا، میں تھوڑی نیند پوری کر لوں، رات توں خجل کیتا ہویا انہیں (رات سے خوار کیا ہوا ہے اس نے)" فصی نے جمائی روکتے ہوئے کہا۔ نیفے نے اسے اوکے کا سگنل دیا تو وہ سگریٹ جوتی تلے مسلتا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس بات سے بے خبر کہ یہ چند پل کا آرام آگے ساری زندگی بے آرامی کا سبب بنے گا۔

☆☆☆☆☆

ZOHA ASIF

رات کا سناٹا ہر طرف چھایا تھا، رفتہ رفتہ کسی جنگلی جانور کی آواز آتی تو وہ نئے سرے سے خوف سے کانپنے لگتا تھا۔ اس نے ایک دفعہ دوبارہ اپنی سمارٹ واچ آن کرنا چاہی تھی، مگر وہ بیٹری ڈیڈ کا سگنل دیتی دوبارہ تاریکی میں ڈوب گئی تھی۔

بے بسی اور گھبراہٹ سے اس نے ایک بار پھر کھڑکی سے باہر دیکھا تھا۔ وہاں چار اور ایمبولنس اس گاڑی کے ساتھ کھڑی تھیں۔ گاڑیوں کے سامنے ان کے ڈرائیور وہاں آگ جلائے بیٹھے تاش کھیل رہے تھے، سامنے ایک اور گاڑی کھڑی تھی، جس کا ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر کوئی سو رہا تھا۔

اس نے تھوک نگل کر اپنے ساتھ ہوش و حواس سے بے گانہ بچوں کو دیکھا، وہ جب سے بیدار تھا ان میں سے کسی نے ہلکی سی بھی حرکت نہیں کی تھی، گاڑی کے اندر کا سماں باہر سے زیادہ خوفناک تھا۔

بے ساختہ اس نے جھرجھری لی تھی۔

اچانک کوئی گاڑی رکنے کی آواز آئی تھی، اس کی کریش پارکنگ کی وجہ سے وہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ اچھلے تھے۔

"فصی بھائی باس آ گئے" نیفے نے فیصل کو آواز لگائی تھی جو نیند میں ہی بڑبڑا رہا تھا، مگر اس کی آواز معیز نے بخوبی سنی تھی اور یہ اس کے جسم کی کپکپاہٹ کا باعث بنی تھی۔

"اوئے فیصل اٹھ، ٹائم نہیں اپن لوگ کے پاس" عاشق سنگھ اس کے پاس کھڑا چلا رہا تھا مگر فصی نے کوئی حرکت نہیں کی تھی، اس نے کان کھجا کر منہ سٹیرنگ کے دوسری طرف کر لیا تھا۔

یک دم اسے لگا اس کی دنیا الٹ گئی ہو کیونکہ عاشق سنگھ کا بھاری ہاتھ اس کے منہ پر پڑا تھا۔

"کون ہے؟ کون ہے جس نے مجھے ہاتھ لگانے کی جرأت کی؟" وہ چیخا، اس کی چیخ پر سب دبی دبی ہنسی لیے اسے دیکھنے لگے۔

"میں ہوں عاشق سنگھ۔۔اور میں نے ہمت کی ہے، اب اگر تیرے ہوش ٹھکانے آ گئے ہوں تو لگیں کام پر؟" وہ اسے کڑے تیور لیے دیکھتا پوچھ رہا تھا۔

"جی۔۔جی باس" وہ منہ بنائے گاڑی سے باہر نکلا۔

"میری گاڑی سب سے پیچھے ہو گی، اور فیصل کی سب سے آگے، اس کے پیچھے سب دو دو گاڑیوں کے فاصلے سے چلیں گے ٹھیک ہے؟ ایمبولنس کے سائرن سب لوگ آن کر لو" وہ انہیں ہدایات دیتا اپنی گاڑی میں بیٹھنے ہی لگا تھا کہ زور دار آواز آئی تھی۔

"یہ پہلے ہی کیوں سائرن شروع کر دیے ہیں؟" وہ غصے سے چیخا مگر سامنے سڑک سے دکھائی دینے والی نیلی سرخ بتیوں والی گاڑی نے اس کے ایسے اوسان خطا کیے کہ زبان کو لقوہ لگ گیا۔

"باس۔۔پولیس۔۔" وہ چیختے ہوئے اپنی گاڑیوں میں بیٹھنے لگے۔

"ابے انہیں خبر کس نے کی؟" عاشق سنگھ اپنے سر سے پگڑی اتار کر بھاگ کر اپنی گاڑی میں جانے لگا تھا جب ایک گاڑی اس کے راستے میں آ کر رکی۔

وہ ہڑبڑا کر وہیں رک گیا، دیکھتے ہی دیکھتے پولیس کی بارہ گاڑیاں ان چھ گاڑیوں کے گرد دائرے میں کھڑی ہو چکی تھیں، ان کے بیچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

معیز نے دھندلی، نم آنکھوں سے یہ منظر دیکھا تھا، تو اس کی تدبیر کام آئی تھی؟ اس کا ہمت نہ ہارنا رائیگاں نہیں گیا تھا؟

کیا بابا کو وہ میسج بھیجا گیا تھا؟

انہی نم آنکھوں سے اس نے عاشق سنگھ کے سامنے رکی گاڑی سے ایس ایچ او شہیر احمد کو نکلتے دیکھا تھا، جو وردی کی چمک اور چہرے کی گرج سے دشمنوں کو سخت نظروں کے وار سے ہی زخمی کر چکا تھا۔

"معاف کر دو صاحب۔۔ غلط۔۔ غلطی۔۔" اس سے پہلے کہ اس کا جملہ پورا ہوتا، اس دلیر پولیس آفیسر نے اس کی ٹانگ پر گولی ماری تھی۔ وہ بلبلا کر گھٹنے کے بل نیچے گرا تھا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر پاتا اس کے دوسرے گھٹنے کی سیدھ میں بھی بلٹ فائر کی گئی تھی۔

فضا اس کی چیخوں سے آلودہ ہو گئی تھی۔

تمام غنڈوں کو پکڑ لیا گیا تھا، سب لوگ پولیس کے حوالے تھے۔

ایمبولنسوں سے بچوں کو باہر نکالا جا رہا تھا، انہیں فوراً کسی قریبی ہسپتال لے جایا جانے لگا، شہیر نے ان مجرمان کو پولیس سیل میں بھجوا دیا تھا، اب وہ خود ہر ایمبولنس میں آگے بڑھ بڑھ کر اپنے لختِ جگر کو تلاش کر رہا تھا۔ اسی اثناء میں آخری ایمبولنس سے ایک بچہ باہر نکلا تھا، اس نے سکول یونیفارم پہنا ہوا تھا جو گرد و مٹی سے اٹا ہوا تھا، چہرے پر پسینے اور مٹی کے جمے ہوئے نشانات تھے، دائیں ہاتھ کی کلائی میں سیاہ رنگ کی ڈیجیٹل واچ تھی۔ ایمبولنس کا دروازہ پکڑے نڈھال کھڑا وہ اپنے باپ کو ہر ایمبولنس میں جھک کر بے چینی سے اپنے فرزند کو ڈھونڈتا دیکھ رہا تھا۔

"بابا" کپکپاتی مدھم آواز اس خاموش ماحول میں چیخ کے برابر تھی، گاڑیوں کے اندر جھانکتا وہ وجود ساکت ہوا، جھٹکے سے سر باہر نکالا اور سامنے کی جانب دیکھا۔

اس کا خون، اس کا فخر، اس کا بیٹا سامنے کھڑا تھا۔

ایک یونیفارم اس کے باپ نے پہنا تھا اور دوسری وردی اس کے بیٹے نے پہنی ہوئی تھی۔ وہ دونوں نم ہوتی آنکھوں، مسکراتے لبوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، پھر سب پولیس ٹیم نے ان دونوں کو ایک دوسرے کی جانب بھاگتے ہوئے دیکھا، یہ منظر دیکھ سب کی آنکھیں نم اور لب مسکرانے لگے تھے۔

☆☆☆☆☆

یہ اس واقعے کے ایک ہفتے بعد کی بات تھی، اور یہ منظر اسلام آباد شہر میں ہونے والی پریس کانفرنس کا تھا جو براہِ راست ٹی وی پر بھی نشر کی جارہی تھی۔

کمرے میں روشنیاں آنکھوں کو اندھا کر دینے والی تھیں۔ کیمروں کی چمک، مائیکروفونز کا جنگل، اور سامنے بیٹھے صحافیوں کا ہجوم۔

یہ سب دیکھ کر معیز نے ایک بار اپنے بابا کی طرف دیکھا۔ شہیر احمد اس کے بالکل ساتھ بیٹھے تھے، وردی میں، چہرے پر وہی سنجیدگی جو ہمیشہ رہتی تھی مگر آج اس سنجیدگی کے پیچھے کچھ اور بھی تھا جو صرف معیز پڑھ سکتا تھا۔ شاید فخر۔

ایس پی صاحب نے مائیکروفون سنبھالا۔

"آج کی اس کامیاب کارروائی میں جہاں ایک سو پچاس بچوں کو بازیاب کروایا گیا، وہاں ہم ایک ایسے بہادر بچے کا بھی ذکر کرنا چاہتے ہیں جس کی فراست اور بروقت بہترین تدبیر نے اس پورے آپریشن کی بنیاد رکھی۔"

کمرے میں سرگوشیاں پھیلیں، کیمرے معیز کی طرف مڑے۔

وہ بارہ سال کا لڑکا جو اپنے باپ کے ہمراہ، اسی کی طرح پورے کانفیڈینس سے اپنی نشست سنبھالے ہوئے تھا۔

وہ لڑکا ابھی پوری طرح ٹھیک بھی نہیں ہوا تھا، جس کی کلائی پر ابھی بھی وہ واچ بندھی تھی، وہی واچ جس نے ایک پرسنٹ بیٹری پر معیز کی زندگی بچائی تھی۔ اس نے کیمروں کو دیکھا اور سیدھا بیٹھ گیا۔

"جی تو بیٹے، آپ کو کیسے اس سنگین مشکل کی گھڑی میں بھی اس لائحہ عمل کا خیال آیا؟" رپورٹر معیز سے مخاطب تھا۔

اس نے ایک نظر اپنے دائیں بیٹھے ایس ایچ او شہیر احمد کو دیکھا جو اس کے دیکھنے پر مسکرا دیے تھے اور پھر ایک نظر سامنے ہجوم پر ڈالی۔

"کیونکہ مجھے ہمیشہ میرے بابا نے سکھایا ہے کہ کسی بھی طرح کی مشکل ہو یا کوئی بھی پریشانی، کبھی ہمت نہیں ہارنی، اپنے اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنا ہے اور دماغ کی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرنا ہے" وہ کنفیڈینٹلی بول رہا تھا۔ ہجوم میں موجود تمام لوگ اس بچے سے متاثر ہوئے تھے۔

"مگر اتنی خوفناک صورتحال میں بھی آپ ڈرے نہیں اور آپ نے آخری لمحے تک اپنے آپ کو بچانے کی کوشش جاری رکھی، یہ سب آپ نے کہاں سے سیکھا؟" ایک خاتون رپورٹر اس سے سوال کر رہی تھی۔

"میں ڈرا تھا، میں بھی ایک نارمل بچہ ہوں جو ایسے حالات میں خوف زدہ ہو گیا، مگر اس مشکل لمحے میں بھی میرے ماما بابا کی سکھائی ہوئی باتوں نے میری ہمت بندھائی اور میری مدد کی۔" اس کا جواب فوراً آیا تھا۔

ZOHA ASIF

سب لوگ حیران ہو کر اس بارہ سالہ بچے کو دیکھ رہے تھے جو باتیں اور عمل اپنی عمر سے بڑے کر رہا تھا۔

"وہ کیسے؟" سب کی حیران آوازیں آئیں۔

"وہ ایسے کہ ماما نے ہمیشہ سکھایا ہے کہ جب بھی گھر سے نکلو تو آیت الکرسی اور گھر سے باہر نکلنے کی دعا پڑھا کرو، اور بابا نے سکھایا ہے کہ مشکل سے مشکل سچویشن میں ڈر کو خود پر حاوی نہیں ہونے دینا اور اپنے لیے ایفرٹ کرنی ہے" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔

پریس کانفرنس میں موجود ہر شخص اس کے ماں باپ سے متاثر دکھائی دے رہا تھا جنہوں نے اتنی کم عمری میں بھی اپنے بیٹے کی ایسی تربیت کی تھی۔

"یہ کانفرنس دیکھنے والے بچوں اور ان کے والدین کو آپ کیا پیغام دینا چاہیں گے؟" وہی فیمیل رپورٹر دوبارہ استفسار کر رہی تھی۔

معیز نے ایک نظر شہیر کو دیکھا۔

"میں چاہتا ہوں یہ بات انہی سے سیکھیں جنہوں نے مجھے سکھائی ہے" اس نے وہ مائیکروفون اپنے باپ کے حوالے کیا۔

"بہت سمپل سی بات۔ اپنے بچوں کو مشکل حالات سے مقابلہ کرنا سکھائیں، انہیں بتائیں کہ اگر کل کو وہ کسی دشوار لمحے میں ہوں تو انہیں کیا تدابیر کرنی چاہئیں؟ انہیں سیلف ڈیفنس سکھائیں، انہیں بتائیں کہ شعور کا ایک لمحہ ڈر اور خوف کے سو لمحات پر حاوی ہے، مشکل میں اپنے آپ پر قابو رکھیں اور ہر ممکن کوشش کریں اپنے آپ کو اس مصیبت سے بچانے کی، اور سب سے ضروری اپنے پیرنٹس سے رابطہ کرنے کی کوشش کریں اور اپنے پیارے اللہ تعالیٰ پر توکل رکھیں کیونکہ بے شک وہ بہترین کارساز ہے۔" شہیر احمد نے سنجیدگی سے کہا تھا اور پھر معیز کو دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

کانفرنس ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا، ہر ایک کی نظر میں معیز اور اس کے والدین کے لیے تعریف اور ستائش تھی، جس طرح انہوں نے اپنے بچے کو نہ صرف اچھے بلکہ برے حالات سے لڑنا سکھایا تھا وہ واقعی متاثر کن تھا۔

"ایک آخری سوال" ایک صحافی فوراً کھڑا ہوا تھا۔ لمحے بھر کے لیے محفل میں سناٹا چھایا تھا۔

"اگر واچ کی بیٹری ختم ہو جاتی تو؟" معیز نے ایک لمحہ سوچا۔ پھر اپنی کلائی اٹھائی، اس واچ کو دیکھا جو ابھی بھی وہیں تھی۔

"تو پھر کوئی اور تدبیر سوچتا۔" وہ مسکرا کر کہہ کر اپنے باپ کا ہاتھ تھامے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ایک بار پھر سے ہجوم تالیوں کی گونج سے بھر گیا تھا۔

کانفرنس ختم ہوتے ہی معیز اپنے ماما بابا کا ہاتھ پکڑے اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا تھا، وہ ماں باپ جو نہ صرف اپنے بچے کے مل جانے پر خوش تھے بلکہ اسی بچے کی بہادری اور ہمت پر بے انتہا فخر بھی محسوس کر رہے تھے۔

تمت بالخیر

ZOHA ASIF